

لبیک

مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے دو متضاد طرح کی ڈھنی روشنیں غالب تھیں۔ ایک حد درجہ قلق، کہ دنیا کی برج نزیدہ ترین ہستی سے دوری اختیار کر رہا ہوں۔ مگر اسکے بالکل ساتھ ایک اندر ورنی خوشی بھی تھی کہ کائنات کے خالق کی طرف سفر ہو رہا ہے۔ ویسے خدا توہر جگہ موجود ہے۔ حاضر بھی اور غائب بھی۔ راز بھی ہے اس بھید کی تعبیر بھی خود ہی ہے۔ مکہ پہنچ کر سب سے پہلا اور افضل کام عمرے کے فرائض سرانجام دینے تھے۔ احرام تو مدینہ سے تھوڑی سی دور، مسجد میں باندھ لیا تھا۔ اب مرحلہ تھا، خدا کے سامنے حاضری کا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ایک تجسس تھا۔ قدرت کے ساتھ ہم آہنگی کی ایک حد درجہ قیمتی کیفیت تھی۔ خانہ کعبہ دیکھ کر کیا ہوگا۔ کیا اس روحانی تجربہ کو برداشت بھی کر پاؤں گایا نہیں۔ خدا اپنے گھر سے باہر نکل کر اپنے مہمانوں کا استقبال کرتا ہے کہ نہیں۔ ہر ذی نفس نے یہی تمایا تھا کہ معاملہ بلا وے کا ہے۔ یہاں ہر شخص خدا کا مہمان ہے۔

حسن نواز سنجیدگی سے عمرہ کی جزیيات بتارہا تھا۔ طوف کے سات چکر ہونگے۔ پتہ نہیں، سوال میرے ذہن میں کیوں آگیا کہ آٹھ چکر کیوں نہیں۔ اگر پانچ کر لیے جائیں تو کیا مظاائقہ ہے۔ جواب بھی ایک دم سامنے آگیا۔ یہاں معاملہ خدا کے حضور مکمل تابعداری کا ہے۔ سوال اور کسی جواب کے بغیر۔ پہلا موقعہ تھا کہ میں اس عظیم جگہ پر موجود تھا۔ اسدنے اپنی تین سال کی بیٹی زویا کو نکھلوں پر بھالیا۔ بڑا بیٹا موی جو سات آٹھ برس کا ہے۔ اسکو اسکی والدہ جو یہ نے پلاسٹک کی رسی سے اپنے ہاتھ سے باندھ لیا تاکہ ہجوم میں بچے کم نہ ہو جائے۔ سارہ، طاہرہ اور فاطمہ سمیت ہم سب لوگ حرم کے زیر تعمیر دروازے کے ساتھ سے اندر داخل ہوئے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ پتہ نہیں ہجوم کہنا چاہیے یا نہیں۔ ہزاروں نہیں، لاکھوں لوگ اپنی اپنی کیفیت کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف موجزن تھے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ حرم کو دیکھ کر جو دعا بھی مانگو، قبول ہو جاتی ہے۔ پہلی نظر ہی قبولیت کی نظر گردانی جاتی ہے۔ صحن میں جانے سے ٹھیک ایک منٹ پہلے فاطمہ نے مڑکر کہا کہ منظر بھائی میرے لیے دعا ضرور کیجئے گا۔ میرا ذہن بالکل خالی تھا۔ چند سیڑھیاں اُتر کر دیکھا تو کالے رنگ کا ایک چوکور بڑا سا کمرہ تھا اور لوگ اسکے ارد گرد دیوانہ وار گھوم رہے تھے۔ معلوم تھا کہ یہاں آنے میں ساٹھ برس کا طویل عرصہ لگ گیا ہے۔ ضرور خدا، اپنے کمرے سے باہر نکلے گا اور پوچھئے گا کہ ڈاکٹر، اتنی دیر کیوں لگادی۔ تمہیں تو پہلے آنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ کسی نے مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ کسی نے خوش آمدید بھی نہیں کہا۔ دراصل یہ جگہ بنیادی طور پر انسان کی نفی کا مرحلہ ہے۔ خدا کے گھر کو دیکھ کر تمام دعائیں مانگ لیں۔ ایک دم احساس ہوا کہ ایک فقرہ بار بار دہرا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حرم کر، کرم کر، مہربانی کر۔ یہ فقرہ میری زبان پر ایسے آرہا تھا جیسے کسی نے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبادیا ہو۔ بغیر سوچ سمجھے طوف کرنا شروع کر دیا۔ ایک چکر، پھر دوسرا چکر۔ ار دگر دہزادوں نفوس تھے۔ لوگ بلند آواز سے ”لبیک“ کی صدائگار ہے تھے۔ مختلف مذہبی گائیڈ، لوگوں کو کتاب سے آیتیں پڑھ پڑھ کر سنار ہے تھے اور لوگ انہیں دہرار ہے تھے۔ یہ سب کچھ عربی میں تھا۔ مجھے ایسے لگا کہ یہ لوگ خدا کو آیتوں میں محدود کر رہے ہیں۔ ذہن میں آیا کہ اصل کا مذہب صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ مجھے تو عربی بالکل نہیں آتی تھی۔ مگر جتنی آیتیں آتی

تھیں، پڑھنی شروع کر دیں۔ تمام بہت جلدی ختم ہو گئیں۔ پھر اردو میں دعا مانگنا شروع کر دی۔ خدا تو ہر زبان جانتا ہے۔ یقین تھا کہ اردو میں بھی ہر دعا سنے کا اور پھر اگر پسند آئی تو قبول کریگا۔ ہر طرف ایک عجیب سانظارہ تھا۔ دوسفید چادروں میں ملبوس لوگ دنیاوی طور پر ہر معاملہ سے کٹ چکے تھے۔ تیرے چکر میں غور سے خانہ کعبہ کو دیکھا۔ ایک دم ایسے لگا کہ حرم میں اکیلا کھڑا ہوا ہوں۔ ارڈگر کوئی بھی نہیں ہے۔ مکمل طور پر تنہا۔ مگر یہ کیسے ہو رہا ہے۔ آنکھوں سے سیالاب روائ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کیلئے ہوش کی دلہیز سے باہر نکل گیا۔ زور زور سے کہنا شروع کر دیا کہ اے اللہ، میں حاضر ہوں۔ اے اللہ، میں تیرے دربار میں سجدہ ریز ہوں۔ بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ طواف کے سات چکر کب ختم ہوئے۔ حسن نواز کی آواز سنائی دی کہ چکر مکمل ہو چکے ہیں۔ اسد نے بتایا ہے کہ چکرسات سے زیادہ لگائیے ہیں۔ مگر مجھے تو بالکل ادراک ہی نہیں ہو پایا کہ حالتِ طواف میں ہوں۔ زور زور سے پوچھنا چاہتا تھا کہ لوگوں، آپ سب کہاں چلے گئے۔ مجھے اکیلا کیوں چھوڑ دیا۔ میں کہاں پر ہوں۔ اس محترم کیفیت سے باہر نکلا۔ اب سعی کا عمل تھا۔ یہاں پر عجیب امتحان میں ڈال دیا گیا۔

سعی کے تیرے چکر میں میرا پورا جسم محمد ہو گیا۔ سر سے پاؤں تک پسینہ ہی پسینہ تھا۔ ایسے لگا کہ پورے جسم کو شل کر دیا گیا ہے۔ قدم اٹھانے کی کوشش کرتا تھا مگر چل نہیں پاتا تھا۔ ڈاکٹر ہونے کے باوجود سمجھنہیں آیا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ بلکہ کیوں ہو رہا ہے۔ روز چھ سات کلو میٹر کی واک کرتا ہوں۔ مگر ایسے تو کبھی بھی نہیں ہوا۔ ہر چیز سمجھ سے باہر ہو گئی۔ سعی کے فقید المثال ہال کے اندر ایک چھوٹی سی دیوار دیکھ کر سہارا لیکر بیٹھ گیا۔ عجیب بے چارگی تھی۔ لوگ ارڈگر دیزی سے ”سعی“ کرنے میں مصروف تھے اور میں ایک قدم چلنے سے بھی معدود رہ چکا تھا۔ ایسے لگا کہ شائد کسی طاقت نے مکمل طور پر مغلوب کر ڈالا ہے۔ میری ساری ڈاکٹری بیکار ہو گئی۔ معلوم ہونے لگا کہ اس وقت ڈاکٹر نہیں بلکہ مریض ہوں اور دنیا کے سب سے بڑے ڈاکٹر کے لیکنک میں تشخیص کیلئے آیا ہوں۔ ایک دم دماغ میں نایاب خیال آیا۔ دیوار کے ساتھ آب زم زم کی سبیل موجود تھی۔ انتہائی مشکل سے چند فٹ کافاصلہ طے کیا اور آب زم زم گلاس میں ڈال کر پینا شروع کر دیا۔ تین گلاس پیے اور پھر انتہائی آہستہ آہستہ سعی کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ ٹھیک دو تین منٹ میں جکڑا ہوا جسم بھر پور طریقے سے آزاد ہو گیا۔ وارثتگی سے چلنا شروع کر دیا۔ ایسے لگا کہ کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ آب زم زم کی تاثیر تھی یا خدا کی طرف سے کوئی اشارہ تھا۔ بالکل سمجھنے پایا۔ بلکہ سمجھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ سعی مکمل ہوئی تو فریضہ ختم ہو چکا تھا۔ میرے ارڈگر دہراووں رنگ برلنگی تبلیوں نے پر ہلا کر شور مچانا شروع کر دیا۔ عمرہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب فوری طور پر واپس جاؤ۔ واپس جاؤ۔ بتایا گیا تھا کہ یہاں لوگ گم ہو جاتے ہیں۔ مگر میں بالکل گم نہ ہو پایا۔ کسی کوشش کے باوجود راستہ یاد رہا اور ہوٹل تک پہنچ گیا۔ ایسے لگا کہ کسی ہیڈ ماسٹر نے ہوٹل کی طرف ہانکا اور درست سمت میں پیدل چلنے لگا۔ یہاں کا ہیڈ ماسٹر کون ہے۔ یہ کوئی سکول ہے۔ اس میں طالب علم پاس ہوتے ہیں یا فیل کر دیے جاتے ہیں۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ویسے سارے سوال ہی ختم ہو چکے تھے۔

اگلے دن، تقریباً دس بجے طواف کیلئے چلا گیا۔ اکیلا۔ سوچ سمجھے بغیر چکر لگانے شروع کر دیے۔ رش میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ جتنے لوگ گزشتہ دن تھے۔ اتنے ہی لوگ اگلے دن بھی تھے۔ ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ اسکو بیان کرنا ناممکن ہے۔ تند ہی سے، کالے

کمرے، کے ارڈگر دھوم رہا تھا۔ ہزاروں لوگ تھے۔ ایک دم میری کلائی کسی نے زور سے پکڑ لی۔ چھڑوانے کی کوشش کی مگر گرفت حد درجہ مضبوط تھی۔ پلٹ کردیکھا تو وہیل چیئر پر ایک ضعیف عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ معذور تھی اور عربی میں کچھ کہہ رہی تھی۔ ہاتھ کی تمام ریگیں ابھری ہوئی تھیں۔ دو انگلیوں کے درمیان پلاسٹک کی ٹک ٹک کرنے والی ادنیٰ سی تسبیح تھی۔ حد درجہ عجیب سالاگا۔ پہلی بات ذہن میں آئی کہ شامداں بزرگ خاتون کی وہیل چیئر کا رخ غلط سمت میں ہے۔ لہذا وہیل چیئر کا رخ دوسری طرف کر دیا۔ جیسے ہی جانے لگا اس عورت نے زور سے تکھمانہ لبھجے میں کہا ”طواف“، ”طواف“۔ یک دم ایک غلام میں تبدیل ہو گیا۔ میں نے وہیل چیئر کو دھکلینا شروع کر دیا۔ لوگ راستہ دیتے گئے۔ معذور عورت کعبے کی طرف مونہہ کر کے عربی میں کچھ کہتی تھی اور پھر ٹک ٹک والی تسبیح کرنا شروع کر دیتی تھی۔ ایسے لگا کہ مجھے عمرہ پر بلا یا ہی اسی لیے گیا ہے کہ اس بزرگ عورت کو طواف کرو اسکوں۔ جنبی عورت زور زور سے عربی میں کچھ کہہ رہی تھی۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بس میں وہیل چیئر کو دھکا لگانے میں مصروف تھا۔ طواف کے دو تین پچھروں کے بعد ایک دم ایسے لگا کہ حرم کا پورا صحنِ مکمل طوپر خالی ہو چکا ہے۔ صرف میں تھا جو ذاتی خادموں کی طرح معذور عورت کو وہیل چیئر پر طواف کرو رہا تھا۔ ارڈگر کوئی بھی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہیل چیئر حرم کے محفوظ دائرے میں کھڑی کر دی اور وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ عورت کون تھی۔ ہزاروں لوگوں میں سے میری کلائی کیوں پکڑی۔ اسے کیسے پتہ تھا کہ میں اسے طواف کروادونگا۔ ایک دم ذاتی نوکر میں تبدیل ہو جاؤ نگا۔ پتہ نہیں، صاحب، کچھ پتہ نہیں۔ ایک دم رنگ دار جگنو ارڈگر پر ہلا ہلا کر گفتگو کرنے لگے۔ تیراعمرہ آج مکمل ہو چکا ہے۔ اختتام پر پہنچ گیا ہے۔ مگر میں نے تو عمرہ گزشتہ روز ہی کر لیا تھا۔ پھر عمرہ آج کیسے مکمل ہوا۔ آج تو میں نے عمرہ کیا ہی نہیں۔ نہ احرام باندھا اور نہ سمعی کی۔ کچھ بھی نہیں کر پایا۔ بلکہ آج تو عمرے کی نیت تک نہیں کی۔ پھر یہ سب کچھ کیا ہے۔ بہر حال پیغام تھا جو مجھ مل گیا۔ پتہ نہیں کیسے اور کیونکر۔

ہاں، ایک خاص بات۔ طواف کرتے ہوئے کسی نے پیچھے سے زور سے دھکا دیا۔ لڑکھڑا گیا۔ گمان ہوا کہ میرے اندر سے ایک جانور نما سایہ زور سے نکلا اور حرم کی حدود کے باہر چلا گیا۔ تیزی سے دوڑتا ہوا مقدس لکیر سے باہر نکل گیا۔ خیال ہے یہ صرف میرا وہم تھا۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ پر عجیب بات ہے کہ اپنے سے اس جانور نما سایہ کے نکلنے کے بعد عجیب طرح کے سکون میں چلا گیا۔ ایسے لگا کہ ذات کی تیکھیں ہو رہی ہے۔ ہونٹوں پر صرف ایک جملہ آنے لگا۔ میرے خدا، میں حاضر ہوں۔ اے میرے مالک، تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ بیک۔ بیک!

راو منظر حیات